(قسط ۴)

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

(سورۂ تغابن کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد

اب ایمانیاتِ ثلاثہ میں سے ایمان بالرسل اور ایمان بالرسالت کا ایک نئے اسلوب و انداز سے بیان شروع ہوتا ہے۔ پانچویں آیت پڑھئے۔ فرمایا "اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَـؤُا الَّـذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَـذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِـمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"

ایمان بالرسالت کے باب میں پہلے ایک ضروری بات ذہن نشین کر لیجئے۔ قرآن مجید میں عموماً تینوں اساسی ایمانیات۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسالۃ اور ایمان بالآخرۃ، کا بیان اکٹھا آتا ہے۔ البتہ اسلوب و بیان بدلتا رہتا ہے۔ کہیں ایک پہلو کو نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں دوسرے پہلو سے بات کی جاتی ہے۔ یہاں ایمان باللہ کا قرآنی استدلال پیش کرنے اور ایمان بالآخرۃ کے متعلق چند اشارات کرنے کے بعد ایمان بالرسالت کا ایک خاص پہلو اور اسلوب سے بیان شروع ہوتا ہے۔ یہاں رسالت کا یہ خاص پہلو سامنے لایا جا رہا ہے کہ رسالت کوئی ہنسی مذاق کا معاملہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی معمولی اور ایسی ویسی بات ہے کہ کوئی قوم جس کی طرف رسول مبعوث کیا جائے، رسول کو قبول کرے یا اس کا انکار کر دے تو اس ردّ و قبول سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ ہلاکت و بربادی اور عذاب و سزا لازم ہے اس قوم کے لئے جو کسی رسول کی دعوت سے انکار کر دے۔ دوسرا خاص پہلو یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ رسالت کے باب میں جو سب سے بڑا مغالطہ انسان کو ہوتا ہے اور جس کے بارے میں شیطان انسان کو خوب ورغلاتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو اس تعجب میں مبتلا کر دیتا ہے کہ ایک انسان اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ بشریت اور رسالت تو متضاد چیزیں ہیں —— ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر اللہ کی طرف سے کوئی رسول آتا تو وہ فرشتہ ہوتا۔ مافوق البشر ہوتا، مافوق الانسان ہوتا۔ مخلوق کی انسان کے علاوہ کوئی

نوع ہوتی ۔ تب تو ہم رسالت کو تسلیم کر لیتے ۔ لیکن بشر کے ساتھ رسالت کا تصوّر قابلِ قبول نہیں ہے۔
ان دونوں چیزوں کو واضح کیا گیا : اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز "کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبریں پہنچ نہیں چکی ہیں جنہوں نے کفر کیا پہلے"۔ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ سورہ تغابن مدنی سورت ہے اور مدینہ کے بھی اواخر دور کی سورت تو اس سے پہلے وہ ساری مکی سورتیں اتر چکی ہیں جن میں قوم نوحؑ، قوم ھودؑ، عاد و ثمود، قوم صالحؑ، قوم فرعون، قوم لوطؑ، قوم شعیبؑ، ان سب کے واقعات بیان ہو چکے ہیں ۔ لہٰذا یہاں صرف ایک حوالہ (Reference) دیدیا ہے۔
اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز خبریں آ چکی ہیں، لازماً آ چکی ہیں، بڑی مفصل آ چکی ہیں پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں ۔ ان قوموں کے ساتھ معاملہ ہوا کیا ؛ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ انہیں اپنے کئے کا مزا چکھنا پڑا کہ نہیں ؛ انہیں اس وبال سے دوچار ہونا پڑا کہ نہیں ؛ جو ان کے اس ظلم کی وجہ سے ان پر آیا کہ انہوں نے انکار کیا اور اسی پر اکتفا رکیا نہیں بلکہ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ دردناک عذابِ اخروی ابھی ان کے لئے اور ہے ۔ دو سزائیں ہیں ان لوگوں کی جو رسول کی دعوت سے اعراض کریں ۔ اس کا انکار کریں ۔ ایک سزا یہ کہ دنیا میں ان پر عذاب لازماً آکر رہے گا ۔ دوسری سزا یہ کہ آخرت میں انہیں نارِ جہنم میں دردناک عذاب سے لازماً سابقہ پیش آئے گا ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ ہر قوم کے لئے اپنے انبیاء و رسل بھیجتا ہے تاکہ وہ انسان کی فطرت میں ودیعت کردہ معرفتِ رب کو جلا بخشیں ، لیکن جو لوگ نورِ فطرت اور نورِ وحی سے فیض اٹھانے سے انکار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو وہ اس دنیا میں بھی عذابِ الٰہی کے سزاوار ہو جاتے ہیں اور آخرت میں بھی انجامِ بد سے دوچار ہوتے ہیں ۔ سورہ توبہ میں منکرینِ حق کو رسل سابقین کی امتوں کے انجام پر متنبہ کیا گیا ۔ اَلَمْ یَاْتِھِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ لا وَقَوْمِ اِبْرٰھِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ ط اَتَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ج فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ہ کیا ان لوگوں کو ان کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں جیسے قوم نوحؑ اور عاد و ثمود، قوم ابراہیمؑ اور اہلِ مدین اور الٹی ہوئی بستیاں، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی اور روشن نشانیاں لے کر آئے ۔ (لیکن انہوں نے انکار کیا) سو اللہ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی (اس انکار کے باعث) اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے"۔ رسولوں کا انکار لازماً عذابِ دنیوی پر منتج ہوتا ہے ۔ نبی اور رسول کے مابین ایک فرق یہ بھی ہے کہ نبی کے انکار پر یہ معاملہ نہیں ہوتا کہ عذابِ دنیا لازمی نازل ہو۔

انبیاء تو قتل بھی کئے گئے۔ اللہ کے نبی حضرت یحییٰ قتل کر دیئے گئے۔ لہٰذا نبوّت کا معاملہ اور ہے۔ اور رسالت کا معاملہ اور۔ متعین طور پر جب کسی رسول کو کسی قوم کی طرف مبعوث کر دیا جائے تو وہ رسول قوم کے حق میں خدا کی عدالت بن کر آتا ہے۔ اگر مانو گے تو ہر طرح کا انعام واکرام ہے اور اگر اعراض اور انکار کر دگے تو یہیں دنیا میں نقد ہلاکت مقدر ہو کر رہے گی۔ اس کے بعد جو عذاب اخروی ہے وہ اس پر مزید ہے۔ یہ تمام وہ حقیقتیں ہیں جو ان واقعات سے معلوم ہوئیں جن کا ریفرنس دیا گیا ہے۔ اب اگلی یعنی چھٹی آیت میں ان واقعات کے بطور نتیجہ اور تجزیہ یہ بات بتائی جارہی ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فرمایا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا۔ یہ اس انجام بد سے اس لئے دوچار ہوئے۔ ذٰلِكَ سے اشارہ کر دیا گیا۔ ان کے انجام بد کی طرف۔ ہلاکت دنیا میں اور دردناک عذاب آخرت میں۔ یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ اور واضح تعلیمات کے ساتھ آئے۔ واضح معجزات اور دلائل و براہین کے ساتھ آئے۔ تو یہ بدبخت بولے کیا انسان ہماری ہدایت پر مامور ہوئے ہیں! کیا بشر ہم کو ہدایت دیں گے! یہ ہماری زمین، زمین پر چلنے والے لوگ، ہماری طرح کے جسم رکھنے والے لوگ، وہی دو ہاتھ ان کے، وہی دو ٹانگیں ان کی، اور وہی کھانا پینا ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے جو ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے، ہماری طرح یہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کل تک تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کاروبار بھی کرتے تھے۔ "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ" یہ عجیب رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔ اور پھر رسالت کا مدّعی! یہ ہے وہ سب سے بڑا حجاب جو انسانوں کے سامنے آیا ہے رسالت کے باب میں اور اس کو exploit کیا ہے اشرار نے۔ وقت کے جو بڑے بڑے چودھری تھے، بڑے بڑے سردار تھے جن کی چودھراہٹ اور سیادت کو خطرہ لاحق ہوتا تھا انبیاء اور رسل کی دعوت سے، وہ اس بات کو سب سے زیادہ ہوا دیتے تھے کہ دیکھو تو سہی ہیہات ہیہات!! یہ لوگ! تمہاری ہی طرح کے انسان، کھانے پینے کی احتیاج رکھنے والے انسان، یہاں تک کہ حوائج ضروریہ بھی انہیں لاحق ہیں، یہ لوگ مدّعی ہو گئے ہیں رسالت کے. لہٰذا اگر تم اپنے ہی جیسے انسانوں کو رسول مان کر ان کا اتباع کر دگے تو بڑے ہی گھاٹے میں رہو گے۔ اسی بشریت کو انہوں نے سب سے زیادہ ہدف بنایا اور یہی بات قبولِ حق میں ان کے لئے سب سے بڑا حجاب بن گئی۔ "فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا" اسی بات پر انہوں نے

کفر کیا، انکار کر دیا، اعراض کیا۔ پیٹھ پھیر لی۔ بات کو قبول نہ کیا۔ رسول کی دعوت پر لبیک نہ کہا کہ اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا " کیا بشر ہمیں ہدایت کا راستہ دکھائیں گے"۔ پس جب انہوں نے انکار اور اعراض کی روش اختیار کی تو اللہ نے بھی بے نیازی کی روش اختیار کی اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور حمید فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ بڑا ہی پیارا انداز ہے یہاں۔ اللہ تو بے نیاز ہے۔ اس کو تو کسی کی احتیاج نہیں، کوئی مانے تو اس کی بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ کوئی انکار کر دے تو اس کی شانِ جلالت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، یہ تو اس کا کرم ہے، اس کا فضل ہے۔ اس کی عنایت ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے، رسول بھیجے۔ اپنی ہدایت بھیجی، اپنی کتاب نازل کی۔ اب اگر کوئی ناقدری کرے۔ یہاں کَفَرُوْا کا ناقدری ترجمہ اچھا ہوگا۔ انکار کرے، اعراض کرے تو اللہ کی تو کوئی غرض وابستہ نہیں۔ پس وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ ؕ اور اللہ نے بھی اپنی نظرِ عنایت پھیر لی، اپنی نگاہِ التفات کو موڑ لیا اور بے نیازی کی روش اختیار فرمالی اور یہ بے نیازی کا جامہ تو صرف اسی ہی پر راست آتا ہے۔ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ؕ اور اللہ تو ہے ہی غنی و حمید۔ غور کیجئے کہ ان دو آیتوں میں رسالت کا ذکر، رسالت کے لوازم کا ذکر، رسالت کے باب میں انسان نے جو سب سے بڑی ٹھوکر کھائی ہے اور جس کو چودھریوں نے اور سرداروں نے سب سے زیادہ اچھالا، اس کا ذکر آ گیا اور اللہ تعالیٰ کی دو صفات غنی و حمید کے بیان سے یہ بات بھی واضح کر دی کہ دعوتِ ایمان کے قبول و رد سے اس کی شانِ اعلیٰ و ارفع، اس کے جلال اور اس کی بادشاہی میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ کمی واقع ہوتی ہے ۔۔۔ یہاں ایک بات کا اور اضافہ کر لیجئے کہ رسالت کے باب میں ایک گمراہی کا ظہور تو اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ رسول کی رسالت کو تو اس دلیل سے رد کر دیتے ہیں کہ یہ رسول تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ چنانچہ رسالت اور بشریت کو عام طور پر لوگوں نے باہم متناقض سمجھا ہے، اسی مرض کا رسولوں کی امت میں بعد میں ایک دوسری شکل میں ظہور ہوتا ہے بنیادی طور پر تو مرض وہی ہے کہ بشریت و رسالت اور نبوت میں انسانوں نے بُعد و تناقض اور استبعاد محسوس کیا اور اسی سبب سے انہوں نے رسولِ بشر کی دعوت کو قبول کرنے سے اس دلیل کی بنیاد پر انکار کر دیا کہ یہ رسول تو ہمارے ہی جیسا انسان ہے۔ گویا رسول کا بشر ہونا قبولِ حق میں مانع ہو گیا۔ یہی مرض انبیاء و رسل کی امتوں کے اندر اس طرح ظاہر ہوا کہ انہوں نے نبیوں اور رسولوں کو اس مقامِ بشریت سے اٹھا کر ماورائے بشریت حیثیت دی۔ کسی نے خدا کا بیٹا بنا دیا۔

حضرت مسیحؑ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ کسی نے حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا یا کوئی اور ماورائے بشریت و ما فوق بشریت کا مقام دے دیا۔ ذہنی مرض ایک ہی ہے، غلطی ایک ہی ہے۔ جس کا ظہور وہاں ایک شکل میں، اور بعد میں امتوں میں ظہور ہوا دوسری شکل میں۔ لہٰذا بشریت کی بنیاد پر رسالت کا انکار اور رسالت کی بنیاد پر بشریت کا انکار بالکل ہم وزن گمراہیاں ہیں۔ ان دونوں میں گمراہی کے اعتبار سے قطعاً کوئی فرق نہیں۔ میں شرک کے بیان میں یہاں عرض کر چکا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کی بشریت پر اتنا زور دیا گیا ہے، تاکہ کم از کم یہ امت اس گمراہی سے محفوظ رہے اس لئے کہ پچھلی امتیں اگر گمراہ ہوئیں تو نبی اکرمؐ کے ذریعے سے ان کی گمراہی واضح کر دی گئی اور اس کی اصلاح کر دی گئی۔ لیکن اگر یہ امت بحیثیت مجموعی اس نوع کی کسی گمراہی میں مبتلا ہو جائے تو اب کوئی اور نبی و رسول آنے والے نہیں، پھر اس کی اصلاح کیسے ممکن ہو گی۔ لہٰذا اس حکمت کو جان لیجئے کہ قرآن مجید میں اسی لئے اس قدر تکرار کے ساتھ اور زور کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ لہٰذا بشریت کی بنیاد پر رسالت کا انکار، اور رسالت کی بنیاد پر بشریت کا انکار بالکل ہم وزن گمراہیاں ہیں۔ ان دونوں میں گمراہی ہونے کے اعتبار سے قطعاً کوئی فرق نہیں۔ ظہور مختلف شکلوں میں ہو رہا ہے۔ لیکن مرض ایک ہے۔ علامات مختلف ہیں۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ○ ان دو آیتوں میں ایمان بالرسالت کا ذکر ختم ہوا ——

اب ایمان بالمعاد، ایمان بالآخرۃ کا بیان شروع ہوتا ہے اور ساتویں آیت اسی مضمون پر مشتمل ہے اس کی اساس تو ایمان باللہ کے ضمن میں ہی قائم کر دی گئی تھی، اب بڑے شرح و بسط کے ساتھ صرف ایک ہی آیت میں بات پوری کر دی گئی۔ فرمایا "زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط" مغالطہ ہو گیا ہے ان کافروں کو کہ ان کو دوبارہ اٹھایا نہیں جائے گا۔ یہاں لفظ زَعَمَ پر غور کیجئے۔ یہ لفظ ہماری زبان میں بھی مستعمل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو بڑا زعم ہے یعنی اسے اپنے بارے میں بڑا مغالطہ ہے۔ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ درآں حالیکہ کچھ ہے نہیں۔ محض ایک خیال خام، ایک بے بنیاد خیال میں مبتلا ہے۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط ان کافروں کو یہ مغالطہ ہو گیا ہے یہ اس غلطی اور بے بنیاد خیال

میں مبتلا ہو گئے کہ ان کو اٹھایا نہ جائے گا۔ ان کو دوبارہ زندگی نہیں دی جائے گی یا یہ کہ ان کو اٹھایا نہ جا سکے گا۔ ان کو استعجاب ہوتا تھا کہ دوبارہ کیسے پیدا کر دیئے جائیں گے۔ مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں، ہڈیاں گل سڑ جائیں تو پھر کیسے اٹھا لیئے جائیں گے۔ ہمارے آباء و اجداد بھی اٹھائے جائیں گے اور ہم بھی؟ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝

(جاری ہے)

بقیہ :- مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی

سورۂ حجرات کی اس آیۂ کریمہ (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ) پر گویا کہ ہمارے منتخب نصاب کا جزو ثانی ختم اور جزو ثالث شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سورۃ والعصر میں بیان شدہ چار لوازم نجات کو اس آیت میں دو اصطلاحات میں جمع کر دیا گیا ہے ایک ایمان حقیقی جو جامع ہے ایمان قولی اور عمل صالح دونوں کا اور دوسرے جہاد فی سبیل اللہ جو جامع ہے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا چنانچہ یہیں سے تواصی بالحق کی تفصیلی بحث کا آغاز ہوتا ہے۔

قارئین متوجہ ہوں!

ماہنامہ "حکمت قرآن" کے بعض مستقل خریداروں کی شکایت کے پیش نظر ادارے نے طے کیا ہے کہ آئندہ سے چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع پیشگی طور پر دو ماہ قبل دے دی جایا کرے گی۔ تاکہ جو حضرات منی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ بروقت منی آرڈر بھی ارسال کر دیں۔ اور اس طرح یہ تکلیف دہ صورت نہ پیش آئے کہ آپ کی جانب سے منی آرڈر بھیجا جا چکا ہو لیکن بروقت ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم یہاں سے رسالہ وی پی بھیج دیں (ادارہ)